تحریک پاکستان میں مسلم صحافت کا کردار

مولانا محمد اسحاق بھٹی (لاہور)

۱۴ جون ۲۰۰۶ء کو روزنامہ ''نوائے وقت'' کے دفتر میں ایک فکری نشست ''تحریک پاکستان میں مسلم صحافت کا کردار'' کے موضوع پر ہوئی۔ اس نشست میں متعدد حضرات نے مقالے پڑھے یا تقریریں کیں۔ معروف مؤرخ، عظیم سکالر مولانا محمد اسحاق بھٹی نے بھی اس موضوع پر ایک مقالہ پڑھا۔ جس کے بعض اقتباسات ۱۶ جون کے ''نوائے وقت'' میں شائع ہوئے۔ قارئین کی دلچسپی کے لیے ذیل میں بھٹی صاحب کا پورا مقالہ درج کیا جاتا ہے۔ (ادارہ)

تحریک پاکستان کے زمانے میں متحدہ ہندوستان کی مسلم صحافت دو حصوں میں منقسم تھی۔ ایک حصہ اس مسلم صحافت کا تھا جو آزادی ملک کے ساتھ ساتھ حصول پاکستان کے لیے سخت ترین جدوجہد کر رہا تھا۔ دوسرا حصہ وہ تھا جو صرف آزادی ملک کا حامی تھا اور تحریک پاکستان سے اختلاف رکھتا تھا۔ یہ آج سے کم وبیش ستر سال پہلے کی بات ہے' جس نے ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کی قرارداد کے بعد زیادہ زور پکڑ لیا تھا۔ اس وقت کلکتہ' بمبئی' دہلی اور لاہور کو صحافت کے مراکز کی حیثیت حاصل تھی۔ ان بڑے شہروں کے علاوہ بھی مختلف مقامات سے بہت سے اخبارات شائع ہوتے تھے اور اپنا ایک مقام رکھتے تھے۔

اردو' انگریزی' بنگلہ' گجراتی وغیرہ زبانوں کے اخبارات کا ایک سیلاب تھا' جس سے لوگ بے حد متاثر تھے۔ بمبئی کا روزنامہ ''انقلاب'' اپنا ایک اثر رکھتا تھا جو اردو میں رئیس احمد جعفری مرحوم کی ادارت میں شائع ہوتا تھا اور تحریک پاکستان کا سخت ترین حامی تھا' اس حمایت کا رئیس احمد جعفری کو خمیازہ بھی بھگتنا پڑا۔

کلکتہ سے مولانا محمد اکرم خاں کا اخبار ''آزاد'' جاری تھا' جو بنگلہ زبان کا اخبار تھا اور بہت پڑھا جاتا تھا۔ بنگال کے لوگ نہایت شوق اور ایک خاص جذبے کے ساتھ اس کا مطالعہ کرتے تھے۔ یہ اخبار پاکستان کی تحریک کا زوردار مبلغ تھا۔ اسی طرح دہلی کی مسلم صحافت میں سے ڈان' انجام' جنگ وغیرہ کو بڑی اہمیت حاصل تھی۔

لاہور بالخصوص مسلم صحافت کا مرکز تھا۔ اس شہر کے روزناموں میں سے زمیندار' احسان' انقلاب' سیاست اور نوائے وقت خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ یہ اخبارات تحریک پاکستان کے مؤید بلکہ مبلغ تھے۔ ''انقلاب'' کے مدیران کرام مولانا غلام رسول مہر اور مولانا عبدالمجید سالک دونوں بہت پڑھے لکھے اور ایک خاص اسلوب تحریر کے مالک بلکہ موجد تھے۔

تحریک پاکستان کے سرگرم دور میں پنجاب کی زمامِ وزارت یونینسٹ پارٹی کے ہاتھ میں تھی۔ ۱۹۳۵ء کے قانون کے تحت صوبائی وزیراعلیٰ کو وزیراعظم کہا جاتا تھا۔ پنجاب کے پہلے وزیراعظم سر سکندر حیات خاں تھے۔ ان کی وفات کے بعد اس منصب پر ملک خضر حیات خاں کو فائز کیا گیا تھا۔ صوبہ پنجاب اس زمانے میں اکتیس اضلاع پر مشتمل تھا' جو اٹک کی لہروں سے لے کر دلی کی دیواروں تک پھیلا ہوا تھا۔ روزنامہ ''انقلاب'' کی پالیسی یہ تھی کہ وہ پنجاب کی صوبائی سیاست میں یونینسٹ پارٹی کا حامی تھا اور مرکزی سطح پر مسلم لیگ کے نقطہ نظر کا مبلغ تھا۔

''نوائے وقت'' تحریک پاکستان کے عہد کا سب سے نمایاں اور ممتاز اخبار تھا۔ اس اخبار کے مطالعہ سے معلوم ہوتا تھا کہ اس نے تحریک پاکستان کی ترویج اشاعت کے لیے اپنے آپ کو وقف کر رکھا ہے۔ اس کے ہر لفظ' ہر سطر' ہر پیرے اور ہر جملے میں حصول پاکستان کی تمنا واضح شکل میں دکھائی دیتی تھی۔ اس اخبار نے نہایت محنت کے ساتھ قیام پاکستان کی راہ ہموار کی۔ اس کے مرحوم ایڈیٹر حمید نظامی کے قلم کی کاٹ کا کوئی جواب نہ تھا۔ نامساعد حالات میں مرحوم نے بے حد جرات کا ثبوت دیا اور بڑے بڑے نامی گرامی لوگوں کا مقابلہ کیا۔

اس دور کی غیرمسلم صحافت بہت تیز تھی۔ ان لوگوں کو مالی وسائل بھی میسر تھے اور کام کرنے والے لوگ بھی بہت بڑی تعداد میں ان کے گرد جمع تھے۔ جب کہ نوائے وقت ایک عرصے تک وسائل سے تہی داماں رہا اور مسائل میں گھرا رہا۔ یعنی اس وقت نوائے وقت تحریک پاکستان کا وہ سپاہی تھا جو بے تیغ ہی لڑ رہا تھا اور بڑی جگرداری کے ساتھ میدان میں ڈٹا ہوا تھا۔ اس کی تیغ اس کا تیز رو قلم تھا۔

ہم اخبار کی خبریں پڑھتے ہیں اور اپنی پسند اور اپنے ذوق و رجحان کے مطابق کالم نگاروں کو بھی پڑھتے ہیں' میرے خیال میں ہر اخبار کا اداریہ سب قاری نہیں پڑھتے۔ بس اداریے کی سرخی دیکھی' دو چار سطروں پر نگاہ ڈالی اور یہ اندازہ کر کے آگے نکل گئے کہ اس میں کیا لکھا گیا ہے۔ لیکن جہاں تک میں جانتا ہوں ''نوائے وقت'' کا اداریہ پڑھنے کی ہر قاری کوشش کرتا ہے۔ بلکہ کہنا چاہیے کہ اس کا اداریہ قاری کو مجبور کرتا ہے کہ اسے پڑھا جائے۔ میں قیام پاکستان سے قبل سے ''نوائے وقت'' کا قاری ہوں اور اس کا اداریہ ضرور پڑھتا ہوں۔ اپنی تصنیفی مصروفیات کے باوجود میں چند اخبار خریدتا ہوں اور انھیں پڑھتا ہوں۔ جب تک نوائے وقت کا اداریہ نہ پڑھ لوں مجھے صبر نہیں آتا۔ حسنِ اتفاق ملاحظہ ہو کہ حمید نظامی مرحوم سے لے کر نوائے وقت کے اب تک کے تقریباً تمام اداریہ

نویسوں سے میری تھوڑی بہت شناسائی رہی ہے۔ حمید نظامی مرحوم سے میل جول کے علاوہ میری خط و کتابت بھی بعض معاملات میں رہی۔ جس کا ذکر میں نے اپنی کتاب ''نقوش عظمت رفتہ'' کے اس مضمون میں کیا ہے جو حمید نظامی کے متعلق لکھا گیا ہے۔

قیام پاکستان کے بعد حمید نظامی اور نوائے وقت کو اپنی حکومت کی طرف سے جن ابتلاؤں کا سامنا کرنا پڑا' وہ ایک الگ موضوع ہے۔ میں اس وقت جماعت اہل حدیث کے ترجمان ہفت روزہ ''الاعتصام'' سے منسلک تھا اور اپنی کمزور آواز کے مطابق اس سلسلے میں کچھ لکھتا رہتا تھا۔ میری تحریر کردہ وہ سطور حمید نظامی مرحوم نے اپنے اس دور کے اخبار ''جہاد'' کے مختلف شماروں میں شائع کیں۔

میں نے اپنی گزارشات میں صرف چند روزناموں کا ذکر کیا ہے' جنھوں نے تحریک پاکستان کی رفتار کو آگے بڑھانے اور تیز کرنے کے لیے خاص کردار ادا کیا۔ حالانکہ بعض ہفت روزے اور پندرہ روزے بھی اس تحریک کے سلسلے میں سرگرم عمل رہے۔ جن میں ایک ہفت روزہ ''اہل حدیث گزٹ'' تھا جو دہلی سے مولانا عبدالحنان کی ادارت میں شائع ہوتا تھا۔ ایک ہفت روزہ ''اہل حدیث'' تھا جو حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسری کا اخبار تھا۔ یہ اخبار مولانا مرحوم نے ۱۳ نومبر ۱۹۰۳ء کو اپنی ادارت میں امرتسر سے جاری کیا تھا۔ اس کا آخری شمارہ ۱۳ اگست ۱۹۴۷ء کو چھپا۔ اس اخبار نے ۴۴ سال عمر پائی۔ اس کا ایک مستقل عنوان ''ملکی مطلع'' تھا۔ اس میں وہ ملکی سیاست کو موضوع بحث بناتے تھے۔

مولانا محمد اکرم خاں اور ان کے اخبار روزنامہ ''آزاد'' کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ ان کا ایک ہفت روزہ اخبار ''محمدی'' تھا۔ اس کے علاوہ ''سیوک'' اور ''زمانہ'' بھی ان کے اخبار تھے جو بنگلہ زبان میں کلکتے سے نکلتے تھے۔ ان اخبارات کا شمار تحریک پاکستان کے حامی اخبارات میں ہوتا تھا۔ قیام پاکستان کے بعد مولانا محمد اکرم خاں کلکتے سے ڈھاکہ چلے گئے تو یہ اخبار بھی ان کے ساتھ گئے۔ چودھری خلیق الزماں کی وفات کے بعد انھیں پاکستان مسلم لیگ کا صدر بھی منتخب کیا گیا تھا۔ مولانا محمد اکرم خاں نے ۹۰ سال سے زیادہ عمر کو پہنچ کر ۱۸ اگست ۱۹۶۸ء کو ڈھاکا میں وفات پائی۔

جس مسلم صحافت کا زاویہ فکر صرف آزادی ہند کی حمایت اور قیام پاکستان سے اختلاف تھا۔ وہ اگرچہ تعداد میں کم تھی' تاہم مضبوط صحافت تھی۔ ان میں کلکتے کا روزنامہ ''ہند جدید'' بھی شامل تھا جو مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی کا اخبار تھا۔ پھر بجنور کا سہ روزہ ''مدینہ'' بھی اسی زمرے میں آتا تھا۔ اس کے منصب ادارت پر مختلف اوقات میں ملک نصر اللہ عزیز اور ابوسعید بزمی وغیرہ متعدد مشہور صحافی فائز رہے۔ اخبار ''مدینہ'' کے مالک کا نام محمد مجید حسن تھا۔ پھر لاہور کا سہ روزہ ''زمزم'' جس کے ایڈیٹر محمد عثمان فارقلیط تھے' ایک خاص رنگ کا اخبار تھا۔ اس کے ایڈیٹر بڑے احتیاط سے مدلل اداریے لکھتے تھے۔ اس کے مالک و منیجر منشی عبدالرحیم صاحب تھے۔ اس کا دفتر اردو بازار میں تھا۔ جسے اس زمانے میں موہن لال روڈ کہا جاتا تھا۔

روزنامہ شہباز کا تعلق بھی اسی قبیلے سے تھا۔ مجلس احرار کے روزنامہ ''آزاد'' کا شمار بھی اسی گروہ صحافت میں ہوتا تھا' جس کے ایڈیٹر شورش کاشمیری تھے اور بھی متعدد اخبارات و جرائد تھے۔

میں سمجھتا ہوں غیر مسلم اخبارات مثلاً ملاپ' ویر بھارت' پرتاپ' اجیت' پنجابی کا روزنامہ ''اکالی'' جو گیانی شیر سنگھ کی ادارت میں نکلتا تھا' اس اعتبار سے یہ سب اخبارات تحریک پاکستان کے حامی تھے کہ نہایت گھٹیا طریقے سے پاکستان اور اس کے رہنماؤں پر تنقید کرتے تھے' جس سے سنجیدہ ذہن کے غیر مسلم بھی نالاں تھے اور یہ سب چیزیں پاکستان کے حق میں جاتی تھیں۔

پھر یہ تو سب کو معلوم ہے کہ ۱۹۴۷ء میں ایسے حالات پیدا ہو گئے کہ خود پٹیل' گاندھی اور پاکستان کے مخالف اس کے قیام کی حمایت پر اتر آئے تھے۔

ہمارے ہاں اکثر لوگ تحریک پاکستان کی مخالفت کے سلسلے میں ''ہندو پریس'' یا ''ہندو اخبارات'' کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سکھ بھی مسلمانوں کے سخت مخالف اور تحریک پاکستان کے خلاف تھے۔ ''اجیت'' سکھوں کا اخبار تھا' ''اکالی'' سکھوں کا اخبار تھا اور انھیں تحریک پاکستان کا لفظ تک سننا گوارا نہ تھا۔ مسلمانوں کو زیادہ تر سکھوں نے قتل کیا' اور ہم نے شہروں اور گلیوں میں ہندوؤں کے نام تو بدل دیے اور انھیں مسلمان بنا لیا۔ کرشن نگر کو اسلام پورہ کہنا شروع کر دیا' لیکن قلعہ گجر سنگھ اور قلعہ لچھمن سنگھ کے نام کیوں نہیں بدلے......؟ لائل پور کی تاریخ بگاڑ کر اسے فیصل آباد بنا دیا گیا' لیکن ٹوبہ ٹیک سنگھ کو کیوں برقرار رکھا گیا......؟

آخر میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ آزادی ہند کی حامی مسلم صحافت اخلاص کے ساتھ ایک مطمع نظر رکھتی تھی اور تحریک پاکستان سے تعلق رکھنے والی مسلم صحافت بھی اپنے نقطہ فکر میں بالکل صحیح سمت پر گامزن تھی۔ ان دونوں صحافتی گروہوں کا اپنا اپنا کردار تھا جو وہ بربنائے خلوص ادا کر رہے تھے۔ میں اس کی ایک مثال عرض کرتا ہوں:

۱۹۴۲ء میں جب گاندھی جی پونا کے آغا خاں محل میں نظر بند تھے اس وقت راج گوپال اچاریہ کی کوشش سے گاندھی جناح ملاقات کا اہتمام ہوا تھا۔ یہ ملاقات کئی دن جاری رہی تھی۔ ایک دن جناح صاحب نے اخبار نویسوں کے سوالات کا جواب دیتے ہوئے فرمایا تھا کہ آزادی ہند کی تحریک بالکل صحیح ہے' ملک آزاد ہو گا تو پاکستان معرض وجود میں آئے گا۔

اس گزارش سے میرا مدعا یہ ہے کہ یہ تحریک آزادی ہند اور تحریک پاکستان میں نتیجے کے اعتبار سے کوئی خاص تضاد نہیں تھا۔ کیونکہ تحریک پاکستان کا سلسلہ آزادی ملک کے ساتھ وابستہ تھا۔

بشکریہ الاعتصام لاہور

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆